© rasailojaraid.com

مطبوعات

عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، شائع کردہ مکتبہ جامعہ، دہلی۔ کاغذ، جلد، گردپوش مناسب، طباعت جنگ زدہ۔ قیمت: ۳؏۔

یہ ایک تحقیقی کتاب ہے اور خوب "پڑھ کر" لکھی گئی ہے۔ بہت اچھی معلومات کو جناب مولف نے دور دور سے جمع کر کے مرتب کیا ہے، مگر حقیقۃً یہ "کتاب" نہیں ہے کہ ایک موضوع سے متعلق مباحث پر خود اس موضوع کے تقاضوں سے ایک سلسلۂ مضامین لکھا گیا ہو، بلکہ دراصل یہ چند مقالات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کے عنوان کو دیکھ کر جن مباحث کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے ان میں سے بعض بالکل ناپید ہیں اور بعض بہت تشنہ ہیں۔

"شہری مملکتِ مکہ" میں عہدِ جاہلیت کا وہ نظامِ سیاسی و اجتماعی بالتفصیل پیش کیا گیا ہے جو ام القریٰ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی نظام پر بھی نظر ڈالی گئی ہے، کیونکہ مذہب (جیسا کچھ بھی اس وقت تھا) نظامِ سیاسی پر خوب اچھی طرح موثر تھا؛ نیز تمدن کے دوسرے اہم پہلو مثلاً تجارتی، عسکری، سفارتی، مالیاتی نظام بھی مجملاً بیان کر دیے گئے ہیں۔ "دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور" بھی نہایت اہم مضمون ہے۔ یہ دستور دو حصوں پر مشتمل ہے، ایک میں مدینہ کی دینی ریاست کے اندر مسلمانوں کے حقوق متعین کیے گئے ہیں اور دوسرے میں معاہد اور حلیف یہودیوں وغیرہ کے حقوق کا تذکرہ ہے جو بطور معاہدہ مقرر کیے گئے تھے۔ یہ "دستور" مغربی زبانوں میں مدت سے شائع ہو چکا ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب نے اسے اردو میں عربی ماخذ کا براہِ راست مطالعہ کر کے منتقل کیا ہے اور واقعۃً یہ ایک قابلِ قدر کام ہے۔ مقالہ کے آغاز میں وقت کے سیاسی ماحول کی جھلک دکھا دی گئی ہے جس کی روشنی میں اس دستور کے مطالعہ سے نبیؐ کی فوق العام سیاسی بصیرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد "قرآنی تصورِ مملکت" اہم ترین مضمون سامنے آتا ہے؛ مگر یہی وہ موضوع ہے جس کا حق ادا کرنا شاید محض ایک "محقق" کا کام نہیں، بلکہ "مبلغ" کے لیے مخصوص ہے؛

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کے نظامِ سیاسی پر قلم اٹھانے والے کا اولین موضوع ہو ہی یہی سکتا ہے کہ وہ اس نظریہ کو اجاگر کرے جو اہلِ ایمان کو دوسرے تمام نظریوں پر قائم ہونے والے سیاسی نظاموں سے لڑا دیتا ہے۔ ہم بافسوس یہ عرض کریں گے کہ ڈاکٹر صاحب قرآن کے تصورِ مملکت کو پوری طرح واضح نہیں کر سکے، بلکہ کچھ عجب نہیں کہ ابھی وہ سمجھے بھی نہ ہوں، کیونکہ یہ انقلابی نظریہ جو "لا الٰہ" سے ابھر کر "ان الحکم الا للّٰہ" تک پہنچتا ہے محض علمی تحقیق (Research work) کا حاصل نہیں ہے، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ کمان حقیقت سے چھوٹا ہوا تیر جس دل و جگر کو چھید گیا، چھید گیا!

اس باب میں یہ تفصیل ہونی چاہیے تھی کہ نظریۂ توحید اور نظریۂ حاکمیت الٰہیہ کیا ہے، اس کے وسیع مقتضیات کیا کیا ہیں، اس کی بنیاد پر جو ریاست بنتی ہے وہ غیر الٰہی ریاستوں کے مقابلہ میں کیا فوقیتیں رکھتی ہے اور اس سے کہاں تک غیر الہامی نظریہ ہائے سیاسی کی پیدا کردہ گتھیاں سلجھتی ہیں۔ مگر یہ سب کچھ کسی دوسرے لکھنے والے کے لیے باقی رہ گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا اس بحث میں یہ عجیب نظریہ سامنے آتا ہے کہ آدمؑ کے بعد کئی نسلوں اور کئی صدیوں تک مملکت کا کوئی نظم نہ تھا، بلکہ فقط انبیاء کی نصیحتوں سے ایک اخلاقی نظام بن جاتا تھا اور سیاسی نظام اور اقتدار کی ضرورت مدتوں تک کبھی پیش نہ آئی۔ حالانکہ سیاسی نظام چاہے اس کی شکل اور وسعت کیسی ہی کیوں نہ ہو، اجتماعی زندگی کا ایک طبعی لازمہ ہے۔ اسی غلط تصور کے ماتحت ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ بھی ہے کہ ابتداءً ایک قوم کی جانشین دوسری قوم بنتی تھی، نہ کہ ایک نوعیت کی مملکت دوسری نوعیت کی مملکت کی جگہ لیتی ہو۔ یہ بالکل غلط تصور ہے۔ پھر قصۂ طالوت سے یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ یہودیوں نے اپنے پیغمبر سے نبوت اور بادشاہت یا مذہب اور ریاست کے الگ الگ ہونے کو سرکاری طور پر مصدقہ کرا لیا تھا۔ اور اسی کے ساتھ یہ رائے بھی غلط ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے اقتدار اجتماعی میں کوئی "اشتراک" کیا تھا۔ "اشرکہ فی امری" کی دعا کا مدعا تو صرف یہ تھا کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے رفیق کار اور نائب کار ہو جائیں۔ مگر ان چند کوتاہیوں کے عرض کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ پورا باب ناقابلِ استفادہ ہے۔ نہیں۔ اس میں شعورِ حقیقت کی بھی کافی جھلک موجود ہے اور بیعت، شوریٰ، قانون سازی، عدلیہ، جہانبانی، جانشینی وغیرہ جیسے اہم مسائل پر بھی مختصر مگر

© rasailojaraid.com